دہشت گردی، اسلام اور اردو افسانہ (ایک تنقیدی جائزہ)

TERRORISM, ISLAM & URDU FICTION (A Critical Study)

Afshan Nawaz Malik

ABSTRACT

This Article is an answer to a basic research question that how international narrative about Islam and terrorism has been explained in Urdu fiction? While answering to this question, a few more questions were also taken into consideration, including weather Urdu fiction has preserved historical facts and weather it reflects the facts in an emotional way? According to the author, Urdu fiction not only reflects stories of terrorism, but also finds out the reasons behind it. According to him, the motive behind terrorism started from incident of 9/11 was an international conspiracy to prove a strong connection between terrorism and Islam. However, after passage of 19 years, efforts vested in proving Islam as a terriorst religion have failed and Islamic view against terrorism is very clear. Sayings of the prophet *Muhammad* PBUH and his way of life reflect importance of the peace and humanitarian attachments. Urdu fiction, while being the fiction, reflects all historical facts regarding the terrorism.

Keywords: Urdu Fiction, Terrorism, Islam, Nine- Eleven.

خلاصہ

یہ مقالہ اس بنیادی تحقیقی سوال کا جواب ہے کہ اردو افسانے میں اسلام اور دہشت گردی کے عالمی بیانیے کو کس طرح پیش کیا گیا ہے؟اس میں چند فرعی سوالات کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے۔ منجملہ یہ کہ اردو افسانے کی افسانویت نے مذکورہ موضوع کے تناظر میں تاریخی حقائق کو کس حد تک متاثر کیا ہے اور حقائق کی جذباتی تصویر کشی کیسی کی ہے؟ اس مقالہ میں دہشت گردی کے معنی اور پس منظر کو بیان کیا گیا ہے۔ مقالہ کے مطابق وہ دہشت گردی جس کی ابتدا امریکہ سے ہوئی، اس کا محرک اسلام کو بدنام کرنا تھا۔ تاہم آج یہ سازش انیس سال گزرنے کے بعد ناکامی ہو چکی ہے۔اردو افسانے میں دہشت گردی کی کہانیوں کے ساتھ ان محرکات کو تاثراتی انداز میں بیان کیا گیا ہے جو دہشت گردی کا باعث بنتے ہیں۔

کلیدی الفاظ: اردو افسانہ، دہشت گردی، اسلام، نائن الیون۔

"دہشت گردی"، فارسی اسم ہے جس کے معنی "خوف و ہراس پھیلانا ہے"[1] یعنی اپنی جائز و ناجائز مطالبات کے لیے خوف و ہراس پیدا کرنا اور جائز و ناجائز کی تمیز کیے بغیر اپنے اہداف کو حاصل کرنے کی کوشش دہشت گردی کہلاتی ہے۔ دہشت گردی وسیع مفہوم رکھتی ہے مگر عہدِ جدید میں عالمی سطح پر جس دہشت و خوف کی لپیٹ میں مسلمان ممالک آئے۔ اس کا محرک امریکہ میں ہونے والا ایک بڑا واقعہ بنا۔ 11 ستمبر 2001ء کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے دو اغواء شدہ طیارے 18 منٹ کے وقفے سے ٹکرائے جس سے 110 منزلہ عمارت زمین بوس ہو گئی۔ تیسرا طیارہ پینٹا گون کے ایک دفتر سے ٹکرایا اور اس کی تباہی کا سبب بنا۔ امریکہ جو کہ سپر پاور ہے اور اپنے دفاع کے لحاظ سے سب سے زیادہ محفوظ تصور کیا جاتا تھا اس حادثے کے بعد اس کی تمام حکمت عملی اور دفاعی مضبوطی پر سوالیہ نشان لگا۔ جس کی وجہ سے دیگر ممالک خود کو زیادہ غیر محفوظ سمجھنے لگے۔ امریکہ نے اس حملے کے بعد تمام الزام عرب نژاد جنگجو اسامہ بن لادن کو دیا اور افغانستان کے غیر رسمی لشکر طالبان کے سربراہ ملا عمر سے مطالبہ کیا کہ وہ اسامہ کو امریکہ کے حوالے کر دے ورنہ اس کے خلاف طاقت کا استعمال کیا جائے گا۔

اکتوبر 2001ء کو امریکہ نے افغانستان پر حملہ کر دیا۔ پاکستان کے مفادات ہمیشہ افغانستان سے وابستہ رہے ہیں اس وقت جنرل پرویز مشرف کی حکومت تھی۔ افغانستان پاکستان کا ہمسایہ ہے جس کی وجہ سے افغانستان میں آنے والی ہر تبدیلی اور حالات کا نشیب و فراز ہمیشہ پاکستان کے لیے اہم رہا ہے اور پاکستان نے اس میں کردار ادا کرنے کی کوشش کی۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں پاکستان نے امریکہ اور سعودیہ کے ساتھ مل کر روس کے خلاف جنگ لڑی مگر اب دہشت گردی کی جنگ میں حالات یکسر بدل گئے وہ مجاہدین جو امریکہ اور پاکستان کی اشیر باد سے روس کے خلاف جنگ لڑ رہے تھے وہ امریکہ کی نظر میں اب دہشت گرد بن گئے۔ اور دہشت گردی کی اصطلاح میں ہر مسلمان شامل ہو گیا اور امریکی صدر کے صلیبی جنگ کی اصطلاح استعمال کرنے کے بعد مسلمانوں کے خلاف پوری دنیا میں دہشت گرد ہونے کا پروپیگنڈا عروج پر پہنچ گیا۔ آمریت میں فردِ واحد پر تمام ذمہ داری ہوتی ہے اور اسے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے سہاروں کی ضرورت ہوتی ہے وہ زیادہ دباؤ برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتا اس کے برعکس جن ممالک میں جمہوری نظام نافذ ہوتا ہے تو بیرونی دباؤ کا سامنا کرنے کے لئے پارلیمنٹ کا فورم موجود ہوتا ہے لہٰذا وزیرِ اعظم اکیلے دباؤ برداشت نہیں کرتا بلکہ وہ تمام قسم کے دباؤ کو پارلیمنٹ کے سپرد کر دیتا ہے جس سے عوامی مفاد کے فیصلے کرنا آسان ہوتے ہیں اور تمام قسم کا دباؤ وزیرِ اعظم اور پوری پارلیمنٹ برداشت کرتی ہے لہٰذا فیصلہ کرنے کی قوت جمہوری نظام میں زیادہ پختہ ہوتی ہے۔ مگر بدقسمتی سے 9/11 کے

وقت پاکستان میں پارلیمانی نظام معطل تھا ایسے میں غیر ملکی طاقتوں کو پاکستان کی سرزمین پر دہشت گردی کا بیج بونے کے لئے سازگار ماحول میسر آیا۔

9/11 کے محرکات میں معاشی نظام پر مکمل دسترس حاصل کرنا بھی قرار دیا جا رہا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں معیشت کے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ طاقتور قوتیں ترقی پذیر ممالک پر دسترس حاصل کرنا چاہتی تھیں اور ان کو خوف تھا کہ ترقی پذیر ممالک معیشت پر مکمل عبور حاصل نہ کرلیں اس لیے انہوں نے جنگجو پالیسیاں بنائیں تا کہ سرمایہ دار طبقات کا تحفظ ہو سکے اور پسماندہ ممالک میں مغربی طاقتوں کو تحفظ دینے والے بھی میسر آسکیں یہی وجہ ہے کہ امریکہ نے ترقی پذیر بیشتر ممالک میں آمریت قائم کرنے میں اپنا کردار ادا کیا ڈاکٹر خیال امروہی لکھتے ہیں: "مریکہ کی نسل کشی کی پالیسی کا ایک زاویہ یہ بھی ہے کہ پسماندہ ترقی پذیر ممالک میں ایسی قیادت ابھارنے میں مدد دیتا ہے جو غریب دشمن ہو اور بالائی سرمایہ دار طبقات کا تحفظ کرنے میں مغربی طاقتوں کے غلام گیر ایجنٹ کی حیثیت سے بھی کام کرے۔"[2]

دہشتگردی کے حوالے سے یہ بات بھی اہم ہے کہ امریکہ نے اس جنگ کو اپنے دفاع کے نام پر شروع کیا اور تمام اسلامی طاقتوں کے خلاف علم بلند کیا اسلام اور اس سے جڑی تمام تحریکات اور شخصیات کو ہدف بنایا۔ اس جنگ کے حوالے سے امریکی صدر بش نے دہشت گردی کے نام سے جو جنگ شروع کی اسے پہلے صلیبی جنگوں کا نام دیا اور بعد میں اسے دہشتگردی کی جنگ قرار دے دیا۔ امریکی صدر کا مؤقف وقت کے ساتھ تبدیل ہوا جیسا کہ اخلاق احمد قادری لکھتے ہیں: "شروع میں صدر بش صاحب نے اس جنگ کو ایک نئ صلیبی جنگ اور مسلمانوں کے خلاف کاروائی قرار دیا تھا مگر بعد ازاں جب انہیں غلطی کا احساس ہو گیا تو وہ اسے ایک صلیبی جنگ کی بجائے دہشت گردی اور دہشت گردوں کے خلاف جنگ کہنے لگے۔"[3]

مغربی ممالک جمہوریت کا سہارہ لے کر جنگجو پالیسیاں بناتے رہے جس کا شکار مسلمان ممالک ہوئے دوسری طرف اگر امریکی معاشرے کا جائزہ لیا جائے تو خود کو انصاف پسند، آزادی پسند کہلانے والے ۹/۱۱ کے واقعے کے بعد اپنے دشمن کے خلاف پورے جوش و خروش سے حملہ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ احفاظ الرحمٰن اپنی کتاب "جنگ جاری رہے گی" میں لکھتے ہیں کہ پورے امریکہ میں سڑکوں پر ایک ہی نعرہ گونج رہا ہے: "حملہ کرو، دشمن کو ملیامیٹ کردو"[4] امریکہ نے اپنی انتقامی کاروائیوں کو صرف افغانستان تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس ضمن میں عراق پر بھی حملہ کر ڈالا، شہروں کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا، خون کی ہولی کھیلی اور تاریخ کے اوراق کو خون آلود کر دیا۔ احفاظ الرحمٰن نے اپنی کتاب میں لکھا: "امریکی صدر نے حکم جاری کیا کہ امریکی اہلکار کسی بھی ملک میں جا کر اپنے

مطلوبہ "مجرم" کو گرفتار یا قتل کر سکتے ہیں وہ کسی عدالت میں فرد جرم عائد کرنے اور اس سے فیصلہ طلب کرنے کے بھی پابند نہیں۔"[5]

امریکہ نے جنگی قیدیوں کے لئے کیوبا کے ساحلی علاقے گوانتاناموبے میں نظر بندی کا جو کیمپ افغانستان اور القاعدہ کے لئے قائم کیا اس میں قید کیے جانے والے لوگوں کی حالت زار پر بھی دنیا بھر میں امریکہ کو ملامت کا سامنا کرنا پڑا ۔گونتاناموبے جیل میں قیدیوں کو ہراساں کرنے اور غیر انسانی فعل کے ساتھ ساتھ بغیر کسی عدالت میں مقدمہ چلائے بغیر کسی دلیل اور بغیر گواہی کے لمبی اور اذیت ناک سزاؤں کا سلسلہ جاری رہا۔ ان قیدیوں کو جنگی قیدی جتنے حقوق بھی حاصل نہ تھے ۔اس سلسلے میں اعلی امریکی حکام سے سوال پوچھا گیا تو اس کا جواب آصف محمود نے اپنی کتاب ڈرون حملے میں درج کیا: "القاعدہ کا ایک روایتی ڈھانچہ نہیں ہے اس کے اہلکار کوئی وردی نہیں پہنتے اور کھلے عام اسلحہ لے کر نہیں پھرتے۔"[6] یعنی ان لوگوں کو جنگی قیدیوں کے سے حقوق اس لئے نہیں دئے گئے کہ ان کی کوئی منظّم فوج نہ تھی یہ موقف امریکہ نے اپنایا دوسری طرف تمام عالمی قوتوں میں انسانی حقوق کے نمائندوں میں زیادہ تعداد غیر مسلموں کی تھی لہٰذا مسلمانوں کی کہیں شنوائی نہ ہوئی۔

پاکستان اس جنگ میں امریکہ کا معاون بنا اور امریکی افواج تک سامان کی رسائی کے لئے پاکستان نے راستہ فراہم کیا۔ لہٰذا ردّ عمل کے طور پر طالبان کی طرف سے ساز وسامان پہنچانے والے کنٹینرز پر حملے کئے گئے۔ لال مسجد، اسلام آباد جو کہ طالبان کا گڑھ تصور کی گئی اس کی طرف سے نفاذِ شریعت کا اعلان کیا گیا۔ اس سلسلے میں کچھ کاروائیاں بھی کیں جس کی وجہ سے مشرف کے کہنے پر دفاعی ادارے حرکت میں آئے اور ان کے خلاف سخت کاروائی کی گئی ۔اس کے بعد پاکستان میں دہشت گردی کے سائے مزید گہرے ہو گئے۔ مساجد، مارکیٹ، بازار، تعلیمی ادارے ہر جگہ دھماکے، خود کش حملے شروع ہو گئے لہٰذا دہشت گردی جس کا آغاز امریکہ سے ہوا تھا اس کے بدترین شکار پاکستان کے لوگ ہو گئے۔اسلام جو کہ دنیا کا جدید ترین الہامی مذہب ہے جس کی مدت تقریباً چودہ سو سال ہے اس مذہب کا نام دیگر مذاہب سے اس لئے بھی مختلف ہے کیوں کہ اس کے معنی سلامتی کے ہیں اگر دہشت گردی کے تناظر میں قرآن مجید کا مطالعہ کیا جائے تو سورۃ المائدہ میں واضح طور پر حکم موجود ہے: "جس نے انسان کو ناحق قتل کیا اس نے پوری انسانیت کا قتل کیا۔" (32:5)

مذہب اسلام میں ایک شخص کے ناحق قتل کو تمام انسانیت کا قتل قرار دیا گیا ہے۔ نبی پاک ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں متعدد موقعوں پر مخالفین یا کفار سے بدلہ لینے کے مواقع آئے جس میں سب سے بڑا موقعہ فتح مکہ کا دن ہے جس دن ہر کافر رنجیدہ تھا کہ آج اس سے بدلہ لیا جائے گا لیکن نبی پاک ﷺ نے سب کو معاف کر دیا یہاں تک کہ ہندہ خاتون کو بھی۔ جس نے نبی پاک ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبایا تھا۔ دنیا کی تاریخ میں کبھی ایسی نظیر نہیں

ملتی کہ کسی فاتح نے اپنے مخالف پر دسترس حاصل کرکے اسے معاف کر دیا ہو۔ بلکہ اقوامِ عالم کی تاریخ کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ ہر فاتح نے خون کی ندیاں بہائیں اور ظلم کی انتہاء کر دی۔ جہاں تک تعلق دہشت گردی کا ہے تو اسے مذہبِ اسلام سے جوڑنا ٹھیک نہیں کیوں کہ ہر مذہب کے اندر اچھے برے لوگ موجود ہوتے ہیں۔ خود امریکہ کے اندر آئے دن ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں کہ ایک شخص ہاتھ میں بندوق لے کر لاتعداد انسانوں کو قتل کر دیتا ہے مگر کبھی بھی اس شخص کے مذہب پر بات نہیں کی جاتی۔ یہ صرف اسلام اور مسلمان ہی ہیں جن کو غیر مسلم اپنے اہداف کا نشانہ بناتے ہیں۔ جہاں تک مذہبِ اسلام کا تعلق ہے تو اس میں لاتعداد قربانیوں کا ذکر ملتا ہے تین خلفائے راشدین رضی اللہ عنھم اور حضرت امام حسین علیہ السلام جیسی شخصیات کا منافقین کے ہاتھوں قتل ہوا۔ مگر کہیں بھی انتقام کی طرف رغبت نہیں پائی گئی۔ کسی بھی مذہب کا بانی اس مذہب کی پوری تشریح وبنیاد ہوتا ہے اسی ضمن میں رسولِ پاک ﷺ کی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے کسی بھی موقعے پر ذاتی بدلہ نہیں لیا بلکہ جنگ کے اصول بھی مقرر کر دیئے انہی اصولوں کو اگر دیکھا جائے تو نہ صرف بیمار، لاچار انسانوں سے بدلہ لینے سے منع فرمایا بلکہ سبز درخت اور فصلوں کو بھی جلانے اور ضائع کرنے سے منع کیا، جنگ میں جو لوگ گرفتار کیے جائیں ان کو قتل نہ کیا جائے۔ رسولِ پاک ﷺ نے جنگ کے معاملے میں معاہدے کی مکمل پاسداری کا حکم دیا کسی صورت میں معاہدے کو نہ توڑا جائے اور معاہدے کے لئے آنے والے شخص کی جان کی حفاظت کی جائے شدید اختلافات کے باوجود بھی کسی صورت اسے قتل نہ کیا جائے یہ احکامات نہ صرف نبی پاک ﷺ نے زبانی فرمائے بلکہ متعدد موقعوں پر اس بات کا عملی مظاہرہ بھی کیا۔ رسولِ پاک ﷺ نے نہ صرف جنگی صورتِ حال میں رہنمائی فرمائی بلکہ زمانہ امن میں بھی مسلم ممالک میں رہنے والے غیر مسلموں کو تحفظ فراہم کیا حضور پاک ﷺ نے فرمایا: من قتل معاھداً لم یرح رائحة الجنة یعنی: "ذمی (مسلمان ملک میں رہنے والے کافر) کو قتل کرنے والا مسلم کبھی جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا۔"[7]

رسولِ پاک ﷺ نے انسانی جان کی اہمیت کے پیشِ نظر اس حدیث کو بیان کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان ملک میں چونکہ مسلمان اکثریت میں ہونے کی وجہ سے غیر مسلموں کے لئے زمین تنگ نہ کر دیں لہٰذا آپ ﷺ نے واضح طور پر غیر مسلموں کو جانی تحفظ فراہم کیا تاکہ تمام انسان محض مذہبی بنیاد پر ایک دوسرے پر چڑھائی نہ کریں اور ایک دوسرے کے ساتھ امن کا رویہ اختیار کریں۔ رسولِ پاک ﷺ نے ساری زندگی امن کا درس دیا۔ اپنے حجۃ الوداع کے خطبے میں بھی اس بات پر زور دیا کہ انسان کی جان کو مقدم جانا جائے اور اس کی جان و مال کی حفاظت کی جائے ساتھ یہ نصیحت بھی فرمائی کہ جو لوگ موجود ہیں وہ غیر موجود یا بعد میں آنے والوں تک یہ پیغام پہنچا دیں۔ رسولِ پاک ﷺ کا یہ خطبہ بطور وصیت بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس میں رسولِ پاک ﷺ نے ہر

دور کے لوگوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ وہ دوسروں کے ساتھ نہ صرف اچھا برتاؤ کریں بلکہ ایک دوسرے کی حفاظت بھی کریں لہٰذا مذہبِ اسلام میں قرآن و حدیث کی روشنی میں کہیں بھی انسانی جان کا قتل یا بے حرمتی کی اجازت نہیں دی گئی۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ مذہبِ اسلام اور اس کے پیروکار دہشت گردی کریں یا اس پر اکسائیں؟۔ مذہبِ اسلام کو بطور مذہب ہی دیکھا جائے تو دہشت گردی کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی تاہم اقوامِ عالم نے اسلام اور اس کے ماننے والوں کو دہشت گرد ثابت کرنے کے لیے جو جواز گھڑے وہ من گھڑت ہی ثابت ہوئے۔

یہی وجہ ہے کہ 9/11 کے واقعے پر جو حقائق دنیا کو دکھانے کی کوشش کی گئی اب اس پر لاتعداد سوال اٹھ رہے ہیں مثلاً مسلمان غیر مسلم ملک جس میں اقلیتی کی سی حیثیت میں موجود تھے وہ کیسے اکثریت کے ساتھ ٹکر لے سکتے ہیں ؟صرف اسی بات سے اندازہ لگا لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مسلمان خود اپنی تباہی کا محرک کیوں بنیں گے ؟جس کی وجہ سے افغانستان، پاکستان، عراق کے مسلمانوں کو لاتعداد قربانیاں اور اذیتیں سہنی پڑیں امریکہ کے ان اسلامی ممالک پر قبضے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس واقعے کو ان ممالک پر قبضے کا جواز بنایا گیا۔ جہاں تک ۹/۱۱ کے حادثے میں مرنے والے لواحقین کا ذکر ہے تو انہوں نے ایک "تنظیم دہشت گردی کے خلاف جنگ" بنائی اس تنظیم کے ذریعے انہوں نے اسلام فوبیہ کو ختم کرنے کا موقف اختیار کیا اور اس واقعے کو وجہ بنا کر اسلام مخالف حملوں اور مسلم ممالک پر ہونے والے ستم کی مذمت کی۔ مگر یہ امریکہ کی پالیسی تھی جس نے جنگی جنون میں دنیا کا امن تباہ کیا۔ کئی ممالک کو قبرستانوں میں تبدیل کر دیا جہاں تک بات غیر مسلم دانشوروں کی ہے تو انہوں نے بھی دہشت گردی کی اس جنگ کو دراصل طاقت کی جنگ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ سیموئل پی وٹنگن نے لکھا: "اسلام اور مغرب میں نئے تصادم کی بنیاد طاقت اور ثقافت کے مسائل پر ہے جب اسلام اسلام رہے گا اور مغرب مغرب رہے گا ان دونوں عظیم تہذیبوں کے درمیان تنازعہ موجود رہے گا۔ اسلام اور مغرب کے درمیان تصادم علاقے کی وجہ سے نہیں بلکہ بین التہذیبی مسائل کے سبب رونما ہو رہے ہیں۔"[8] جیسا کہ اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ جنگ بنیادی طور پر طاقت کی جنگ ہے اور امریکہ اپنی طاقت کے بل بوتے پر اسلام اور اس کے ماننے والوں کو نشانہ بنا رہا ہے تو ایسی صورتِ حال میں اس جنگ کو دو مختلف تہذیبوں اسلام اور مغربی طاقتوں کے درمیان تنازعہ بڑھ رہا ہے جس سے معاشی، ثقافتی اور تہذیبی مسائل بھی جنم لے رہے ہیں اور دنیا تیسری جنگِ عظیم کے دہانے پر آ کھڑی ہوئی ہے۔ لہٰذا دنیا کو پرامن بنانے کے لئے صاحبِ اختیار طاقتوں کو اپنی ذمہ داری ادا کرنا ہو گی۔

ادب معاشرے کا عکاس ہوتا ہے۔ ادیب حساس ہوتا ہے وہ معاشرے کے دکھ اور اس کے مسائل کا نہ صرف ادراک رکھتا ہے بلکہ اس سے پیدا ہونے والے طرزِ احساس، جذبات کو اپنی تحریروں میں عیاں کر کے جہاں وہ اپنا کتھارس کرتا ہے وہیں وہ معاشرے کے جذبات کی تصویر کشی کرتا ہے۔ دہشت گردی نے جہاں پوری دنیا کو اپنے

خوف میں قید کیا ہوا ہے وہاں پاکستان، اور اس کے باشندے بھی نہ صرف خوف کا شکار ہیں بلکہ اس سے براہِ راست متاثر بھی ہیں۔ ادیب اس دہشت میں مبتلا معاشرے کا حصہ ہیں انہوں نے دہشت اور کرب کے لمحات کو کیسے محسوس کیا اور ان حالات میں جو افسانہ لکھا وہ ان کیفیات کا ادیبانہ نمونہ ہے۔ جنگ میں سب سے زیادہ متأثر وہ شہری ہوتے ہیں جو اس ملک سے تعلق رکھتے ہیں جس پر حملہ کیا گیا ہو۔ یہ شہری جہاں عدمِ تحفظ کا شکار ہوتے ہیں وہیں انہیں اپنی تاریخ کی فکر بھی لاحق ہوتی ہے کہ کہیں دشمن کے ہاتھوں وہ اپنی زمین کے ساتھ ساتھ تاریخ اور شناخت کو بھی نہ کھو دیں۔ اس موضوع پر رشید امجد کا افسانہ "پژمردہ کا تبسم" ہے۔ اس افسانے میں ایک افغان شہری کی کہانی کو بیان کیا گیا ہے۔ جو دہشت گردی کی اس جنگ سے بہت زیادہ متأثر ہوا نہ تو وہ اپنے وطن واپس لوٹ سکتا ہے اور نہ ہی کسی اور ملک میں اپنی شناخت قائم کر سکتا ہے۔ اس میں تاریخ اور شناخت دو بڑے موضوع سامنے آتے ہیں۔ انسان کی شناخت اس کی تاریخ ہے جو انسان کے ساتھ اسی طرح جڑی ہوتی ہے جیسے جڑیں زمین میں۔ جڑ اگر زمین سے الگ ہو جائے تو پھر کسی اور زمین سے اس کی وابستگی اس طرح کی نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کو پروان چڑھانے میں کوئی اور زمین معاون ہوتی ہے جب افغانستان پر حملہ ہوا تو افسانے کا یہ کردار دربدر ہو گیا مختلف ممالک کا سفر طے کرتا ہے اور اسے اپنی زمین سے بچھڑنے کا دکھ ہے اس کی دربدری میں وہ طاقتیں ملوث ہیں جنہوں نے بظاہر تو یہ تاثر دیا کہ وہ دنیا میں امن کے محافظ ہیں ایسی ہی طاقتوں کو ذمہ داری کا احساس دلانے کے لئے افسانے کا یہ اقتباس اہمیت کا حامل ہے:

"اے شہر کے رکھوالے ایک بھٹکی ہوئی بھیڑ اپنے ریوڑ کی تلاش میں ہے اسے بشارت دو۔"[9]

اس اقتباس کے مطابق جہاں ذمہ داروں کو احساس دلایا گیا ہے کہ وہ امن قائم کریں وہیں اس افغان شہری کو ایک ریوڑ سے بچھڑی ہوئی بھیڑ کی مانند قرار دے کر اس کے دکھ اور پریشانی کو بیان کیا گیا ہے۔ اپنوں سے بچھڑ کر جو تڑپ اور جو شدت پیدا ہوتی ہے اس کا بہترین ادیبانہ اظہار کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جنگ سے متأثر مہاجرین کو وطن واپسی کی خوشخبری بھی دینے کو کہا گیا۔ یعنی کہ یہ طاقتیں جنگ بندی کر کے یہاں کے شہریوں کو امن کی بشارت دیں۔ پژمردہ کا تبسم میں ایک ایسا شہر بیان کیا گیا ہے جسے امریکہ کی بمباری نے برباد کیا۔ اس میں سے دو رویئے ابھرتے ہیں ایک وہ کردار ہے جو اپنی شناخت کھو دیتا ہے مگر اپنے اصل سے کٹ جانے کا دکھ بھی ہے۔ وہ تصوف میں پناہ لینے کی کوشش کرتا ہے اور دوسری طرف فرحانہ کا کردار ہے جس کو احساس زیاں بھی نہیں۔ تیسرا کردار آغا خان کا ہے جو کہ کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا وہ حقیقت سے آنکھ چراتا ہے۔ وہ کسی سوال کا جواب دینا نہیں چاہتا۔ دہشت کی فضاء میں شناخت کا بحران جنم لیتا ہے تو پھر فرد جن نفسیاتی مسائل کا سامنا کرتا ہے اس افسانے کے مرکزی کردار کو اب یہی مسائل درپیش ہیں۔

دہشت گردی کی یہ جنگ اس حوالے سے بھی دیگر جگہوں سے مختلف ہے کہ جس میں معصوم نوجوانوں کو استعمال کیا گیا اسی موضوع پر محمد حامد سراج کا افسانہ "خراد مشین" ہے۔ جیسا کہ اس جنگ کے حوالے سے یہ تاثر دیا گیا کہ سپر پاور کے ساتھ لڑنا آسان ہے اور محض جذبہ ایمانی کے ذریعے ہی امریکہ کو شکست دے دی جائے گی۔ یوں ایک مخصوص ذہن تیار کر کے بدامنی کو بڑھایا گیا اور ذہن سازی اس طرح سے کی گئی کہ کوئی بھی شخص اپنے عزم سے پیچھے نہ ہٹے اور اس کا جوش کم نہ ہو۔ جیسا کہ افسانے کا یہ کردار اپنے جذبات کا اظہار کر رہا ہے۔ "ہم خون ریزی نہیں کر رہے ہیں ایک سپر پاور سے لڑ رہے ہیں۔ ہم نے اس کے دانت کھٹے کر دیئے ہیں اب پیچھے مڑنا ناممکن ہے "۔[10] اپنے دوست کے کہنے پر افسانے کا کردار افغان جنگ میں شرکت کرتا ہے۔ وہ جذبہ شہادت سے سرشار ہوتا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ جنگ جیت جائے گا۔ کچھ عرصے بعد جب اس کو پتہ چلتا ہے کہ اس افغان جنگ میں بہت سے لوگ غیر ملکی کرنسی یعنی پیسہ لے کر یہ جنگ کر رہے ہیں اور عام جہادیوں کو استعمال کر رہے ہیں تو اسے لگتا ہے کہ وہ اب ہار چکا ہے۔ معصوم نوجوانوں کو بے وقوف بنا کر اور جنت کا لالچ دے کر خود کش دھماکے کروائے جا رہے ہیں۔ جس میں لاکھوں بے گناہ شہری شہید ہو رہے ہیں وہ اس سے قاتل خراد مشین تیار کرواتے ہیں اور پھر اس کو بتاتے ہیں کہ وہ ٹی وی پر دیکھے کہ کیسے خود کش دھماکا ہوتا ہے۔ ان مناظر کو اقتباس میں بیان کیا گیا ہے "اچانک ایک بس کے پرخچے اڑ گئے۔ میڈیا چیخ رہا تھا۔ ہر طرف لاشیں ہی لاشیں، ایمبولینسز کے ہارن، انسانوں کی آہ و بکا۔۔۔۔۔۔۔ زخمیوں کو ہسپتال لے جایا جا رہا ہے۔[11]" یوں تباہی کے جو مناظر بیان ہوئے ہیں وہ حقیقت سے بہت قریب تر ہیں۔ افسانے کا کردار اعجاز اپنے کیے پر شرمندہ ہے وہ احساس گناہ میں مبتلا ہے وہ کہتا ہے کہ میرا ضمیر جہنم بن چکا ہے۔ اس افسانے میں ان عناصر کی کارستانیاں بیان کی گئی ہیں جنہوں نے دہشت گردی کی اس جنگ میں منافقانہ کردار ادا کرتے ہوئے اسلام اور مسلمان دونوں کو استعمال کیا۔ یہ وہ خفیہ عناصر ہیں جو بظاہر تو اسلام کے لیے جنگ لڑ رہے تھے مگر درپردہ وہ اسلام دشمنوں کے کارندے تھے۔

دہشت گردی کی جنگ میں خود کش دھماکا کرانے والوں نے نوجوانوں کو ورغلاء کر جنت اور بظاہر جہاد کی تعلیم کے نام پر استعمال کیا اور بہت سے نوجوان ان غلط ترغیبات کا شکار ہوئے۔ اس حوالے سے "بدستور" محمد احمد قاضی کا ایک ایسا افسانہ ہے۔ جس میں ایک نوجوان آہستہ آہستہ اپنی اصل ڈگر سے ہٹ رہا ہے۔ اس کی ماں کو اس کے بدلتے رویوں پر حیرت ہوتی ہے۔ وہ تشویش میں مبتلا ہو کر اپنے شوہر سے بیٹے کے بدلتے رویئے اور چال ڈھال کے بارے میں بتاتی ہے مگر شوہر پہلے اس کی بات کو ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔ بعد میں وہ اپنے بیٹے کی کھوج میں لگتا ہے۔ اس کا بیٹا اسکول کے بعد شہر سے دور ایک ایسی عمارت میں جاتا ہے جہاں عام لوگوں کی آمد و رفت نہیں ہوتی۔ وہ تشویش میں مبتلا ہوتا ہے مگر بیٹے کو کسی طور پر باز نہیں رکھ سکتا وہ دیکھتا ہے کہ اس کا بیٹا کہیں پیسے

لاتا ہے۔ اس نے شلوار قمیض پہننا شروع کر دی۔ سر پر ٹوپی اور کچھ مذہبی لٹریچر پڑھنے لگتا ہے۔ وہ اپنے گھر اور محلے کے لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر دیتا ہے۔ گھر سے کئی دن غائب رہتا ہے۔ والدین کو اندازہ ہونے لگا کہ ان کا بیٹا بھی شاید دہشت گردی کی جنگ میں شریک ہو چکا ہے اور وہ دہشت گرد بن چکا ہے۔ دہشت گرد تخریب کاری کے ذریعے کسی بھی مقام کو نشانہ بناتے ہیں۔ خاص طور پر وہ جگہیں جہاں زیادہ تعداد میں لوگ جمع ہوتے ہیں اور ان کا طریقہ واردات اس نوعیت کا ہوتا ہے کہ وہ بھی ساتھ مارے جائیں تاکہ اصل مجرموں تک پہنچ نہ ہو سکے اس کا اظہار اس اقتباس میں ہوتا ہے۔ "پہلے تو صرف لوگ مارے جاتے تھے اب ساتھ تخریب کار خود بھی مارے جانے لگے انہیں خود کش حملہ آور کہا گیا یہ اپنے جسموں کے ساتھ بم باندھتے تھے کسی بھیڑ میں چلے جاتے، بسوں کے اڈے، ایئرپورٹ، ریلوے سٹیشن ، چلتی بس، کاروباری مراکز وغیرہ کو نشانہ بناتے"۔[12] دھماکے کے بعد اور نوجوان کے گم ہونے پر اہل محلّہ کی نظریں سوالیہ انداز اختیار کر لیتی ہیں۔ جیسے سب کو ان پر شک ہو۔ والدین اب بھی امید کر رہے ہیں کہ ان کا بیٹا واپس آئے گا۔ اس افسانے میں نوجوانوں کا دہشت گرد بننے کے ساتھ ساتھ والدین کی بے بسی کا بھی بیان کیا گیا ہے۔

دہشتگردی کی جنگ کو معاشی وسائل پر قبضے کی جنگ بھی قرار دیا جاتا ہے۔ اس جنگ میں عالمی طاقتوں نے ترقی پذیر ممالک کو محکوم رکھنے کی کوشش کی اور چند ڈالر کے عوض لوگوں کو خریدا گیا۔ یوں ڈالر کی تجارت کر کے دہشتگردی کو بڑھایا گیا۔ اس موضوع پر "گلوبل سوسائٹی" نورالہدیٰ سید کا افسانہ ہے۔ ابتدائی حصے میں دھماکے کا منظر ملتا ہے۔ "دھماکے، چیخ و پکار!۔۔۔۔۔ چیتھڑے، لاشیں اور آوازیں۔۔۔۔! دو دن پہلے بھی ٹی وی میڈیا نے یہ سب کچھ دکھایا تھا۔ اور اب پھر سے کانپ رہے تھے سارے لوگ، اشک بار تھیں ساری آنکھیں"۔[13] دھماکوں کی تباہ کاریاں معمول بن چکی ہیں انسانی جسموں کے ریزے بن جاتے اور لوگ اپنے پیاروں کے مردہ جسموں کو بھی نہ دیکھ سکتے اس کے بعد افسانے کا رخ قومی وہ عالمی منظر نامے کی طرف موڑا گیا ہے یہ افسانہ آپ بیتی کی صورت میں لکھا گیا ہے۔ جس میں کہانی گو کے علاوہ دوسرا کردار تجمید ملک کا ہے۔ تجمید ملک مصنف کو بتاتا ہے کہ وہ مختلف ممالک جرمنی، ڈنمارک وغیرہ کا سفر کر کے واپس ملک لوٹا ہے پاکستان کی صورت حال پر بات چیت ہوتی ہے علماء کرام کی موجودہ صورتِ حال پر خاموشی، بے روزگاری، اور جہالت پر تبادلہ خیال ہوتا ہے۔ تجمید ملک کہتا ہے کہ ہم لوگ برٹش زندگی کے فتنوں کا شکار ہیں۔ وہ ایک آرٹسٹ کی آپ بیتی بیان کرتا ہے جو کہ کارٹونسٹ ہے۔ اس کی زندگی پر آسائش ہے وہ شراب پیتا ہے "لارا" اس کی گرل فرینڈ ہے۔ اس کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرتا ہے اس کے بدلے میں وہ اس سے اضافی ڈالر طلب کرتی ہے۔ مصنف لکھتا ہے کہ جبر کا سلسلہ جو قائم ہے وہ ڈالر کا ہے۔ یہ بڑا طنز ہے ہمارے ملکی صورتحال پر کہ ہم نے ڈالر کے بدلے اپنی عزت گنوا دی وہ بھی اضافی ڈالر، یعنی ہمیں اس کی ضرورت نہ تھی۔ کہانی کے آخری حصے میں آرٹسٹ کی زندگی بدل جاتی ہے جب وہ ایک ایسی

عورت ساتھ وقت گزارتا ہے جسے وہ مہذب سمجھتا ہے۔ جس نے اس کو کہا تھا کہ وہ تمام پیغمبروں کا احترام کرتی ہے، وہ اپنے ساتھ بریف کیس لائی اور رقم دینے کی بجائے اس کے حصے کی رقم بھی لے جاتی ہے۔ جب آرٹسٹ اپنے کام سے واپس آتا ہے تو اس کو پتہ چلتا ہے کہ اس کا فن اب اس سے چھن چکا ہے۔ امریکی جنہوں نے ہمیں دھوکا دیا بظاہر امن پسند، تمام ادیان کا احترام کرنے والے اور ہماری مدد کرنے کے لیے آئے تھے مگر اپنا فائدہ لے کر لوٹ گیے۔ افسانے کا بنیادی موضوع دراصل دہشتگردی کی جنگ میں استعمال ہونے والا ڈالر ہے یعنی اس گمان سے کہ امریکہ مدد کرے گا اور خوشحالی آئے گی یا اس نے ساتھ چھوڑ دیا تو پاکستان غربت کا شکار ہو جائے گا۔ اسی خوف کے تناظر میں جو پالیسیاں بنیں اور پاک امریکہ جنگی اتحاد خوشحالی کی جگہ بدحالی لے آیا۔ ہزاروں جانیں قربان کرکے بھی امن نہ ہو سکا۔

نہ صرف دہشتگردی کی جنگ میں بلکہ افغان روس لڑائی میں بھی پاکستان کا کلیدی کردار رہا ہے۔ اس کے اثرات دور رس ہیں اس حوالے سے سلطان جمیل نسیم نے افسانہ "اور اب کتنا اندھیرا ہے" لکھا۔ اس کا ابتدائی حصہ افغان جنگ سے متعلق ہے جو کہ روس کے ساتھ لڑی گئی اور پاکستان کی اس جنگ میں شمولیت کا بھی ذکر ہے۔ افغان باشندوں کے حالات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ دوسرا حصہ ۹/۱۱ سے متعلق ہے جن عالمی طاقتوں کے زیرِ اثر دہشتگردی کو پروان چڑھایا گیا انہوں نے اس جنگ کو فردِ جرم قرار دیا۔ نہ صرف مسلمانوں کے خلاف بلکہ افغان حمایتی تمام عناصر کو بھی۔ چونکہ امریکہ تمام سامانِ حرب رکھتا تھا لہٰذا تمام جگہوں پر اسی کی شنوائی ہوئی۔ پاکستان میں مذہبی حلقے اس حوالے سے زیادہ پرجوش تھے۔ کیوں کہ اس سے قبل روس اور افغان جنگ میں مذہبی کارڈ کو برتا گیا۔ امریکہ کی پشت پناہی سے یہ جنگ جیتی گئی اب بھی ان مذہبی حلقوں کا خیال تھا کہ روس کی طرح امریکہ کو بھی باآسانی شکست دی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ اقتباس میں بیان کیا جا رہا ہے۔ "امریکی زمین پر اتر کر جنگ کریں ہم انہیں مرغابی کی طرح ٹیں کروا دیں گے۔ ایک طرف عالمی طاقت جدید سامان جنگ، پھر حواریوں کا ٹولہ، نشر و اشاعت کے سارے ادارے ہم آواز جو کچھ کہا گیا کہلوایا گیا اسی کو فرد جرم کے طور پر پیش کر دیا گیا۔" [14] اس جنگ میں عالمی طاقتوں نے نشر و اشاعت کے اداروں کو بھی اپنی دسترس میں رکھا۔ یک طرفہ تصویر کشی کرکے مسلمانوں کو مجرم ثابت کرنے کی کوشش کی۔ جب کہ اس کے برعکس اس کے حریف کو اپنا مؤقف نہ تو پیش کرنے دیا اور نہ ہی اشاعتی اداروں کو آزاد کیا کہ دنیا پر اس جنگ کے اصل حقائق کھل کر سامنے آتے۔ لہٰذا عالمی طاقت نے اپنے کہے کو سچ ثابت کرنے کی کوشش کی، یہی بات اقتباس میں بیان کیا گئی ہے۔ افسانے کی ہیروئن شہناز جو افغان باشندہ ہے ۹/۱۱ کے بعد اپنے وطن سے زیادہ وابستگی اور دشمن کے ہتھکنڈوں کو واضح کرتے ہوئے کہتی ہے کہ اس کے ملک کو ٹارگٹ کیا گیا ہے۔ اب اس کے وطن کے خلاف پروپیگنڈا کیا جائے گا فلموں اور لٹریچر میں یوں تاریخ کو مسخ کرکے پیش کیا جائے گا۔ اپنی مرضی کے مطابق حقائق کو پیش کیا جاتا ہے اور یہ تاثر دیا جاتا ہے

کہ ہدف بننے والے ملک کے باشندے تمام دنیا کے لیے خطرہ ہیں۔افسانے میں جہاں امریکی پالیسیوں کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے وہیں اس بات کا اظہار ملتا ہے کہ افغان باشندے نہ صرف حالات کے بارے میں آگاہی رکھتے ہیں بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے خلاف ایک پر پیگنڈہ کیا گیا اور نہ صرف ان کے ملک کو تباہ کیا گیا بلکہ اس کی ساکھ کو بھی نقصان پہنچایا گیا۔

دہشتگردی کی جنگ میں گمشدگیوں کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ وہ طاقتیں جو اس جنگ کو جواز فراہم کیئے ہوئے تھیں ان تک رسائی حاصل کرنے والے لوگوں کو گمشدہ کر دیا جاتا۔اس حوالے سے "ایک بے شناخت کہانی" سلطان جمیل کا افسانہ ہے۔یہ ایک ایسے شخص کی کہانی ہے جو حقائق کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے اور جو سچائی وہ دیکھتا ہے وہ چاہتا ہے کہ اخبار ان حقائق کو جوں کا توں شائع کرے۔ وہ افغان جنگ کے حقائق کو منظر عام پر لانا چاہتا تھا۔اس کے لیے اس نے اسامہ بن لادن جیسی شخصیت کے انٹرویو بھی کیے۔ انہی سچائیوں کی تلاش میں وہ افغانستان جاتا ہے اور وہاں قتل کر دیا جاتا ہے۔اخبارات نے اس کی زندگی میں اس کے پیش کردہ سچائیوں کو تو نہ چھاپا، تاہم مرنے کے بعد اس کو شہید صحافت کا نام دیا۔اس افسانے میں کردار کا کوئی نام نہیں تاہم یہ ایسے بہت سے لوگوں کی کہانی ہو سکتی ہے جو عالمی طاقت کی بہیمانہ تسلط اور خونریزی کی سچی تصویر پیش کرنے کے جرم میں اپنی زندگی ہار بیٹھے۔اس افسانے میں امریکہ کے کردار کو اس طرح سے پیش کیا گیا ہے۔"ایک گہری سازش کے ذریعے ۹/۱۱ کا ڈرامہ رچا لیا گیا اور مورد الزام ان جہادی لیڈروں کو ٹھہرایا جن کو اسلحہ دے کر روس کے بالمقابل کھڑا کیا گیا تھا۔اپنے اس دوغلے کردار اور ناقابل اعتبار تعلق کی وجہ سے پہلے ہی دنیا بھر میں اعتماد کھو چکا تھا۔جس ملک کو اناج یا مالی امداد دیتا وہاں سے گالیاں زیادہ کھاتا، کیونکہ امداد دینے سے پہلے اپنی پسند کی حکومت قائم کر لیتا تھا اب ۹/۱۱ کو بنیاد بنا کر مغربی حواریوں کے ساتھ افغانستان پر فوج کشی کر دی[15]"افسانے کے دوسرے حصے میں جہاں پاکستان میں ہونے والے متعدد دہشت گردی کے واقعات کا ذکر کیا گیا ہے وہاں پر خاص طور پر سکول کا ذکر کیا گیا۔ جہاں پر دھماکا ہونے کی وجہ سے متعدد طالب علم شہید اور زخمی ہوئے مگر اس کے باوجود سکول کی بچیوں نے اپنی ہمت قائم رکھی اور اپنے سکول کو دوبارہ سے تعمیر کرنے میں مصروف ہیں۔افسانے میں جہاں امریکہ کی پالیسیوں کا ذکر کیا گیا ہے وہیں دہشتگردی سے متاثرہ لوگوں کے جذبات کو بھی بیان کیا ہے کہ اتنی تباہی و بربادی کے باوجود جذبہ تعمیر زندہ ہے۔

افغان ہمسایہ ہونے کی وجہ سے دہشتگردی کے اثرات پاکستان پر بھی پڑے۔ پاکستان کو ریاستی دہشتگرد قرار دینے کی کوشش کی گئی جس سے دنیا بھر میں پاکستان کی حیثیت مشکوک ہوئی۔ پاکستانیوں کو بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔اس حوالے سے مسعود مفتی کا افسانہ "آج اور کل" ہے۔اس کا آغاز بھی اس فضا میں ہوتا ہے جس

میں ۹/۱۱ کے بعد پاکستان کو ریاستی دہشت گرد قرار دیا گیا۔ دیگر ممالک میں سفر کرنے والے اب دہشت گردی کی وجہ سے مشکوک ہو گئے ہیں، لہٰذا امیگریشن کے معاملے میں بھی پاکستانیوں کو سخت رویوں کا سامنا ہے۔ بہت سے پاکستانیوں کو مشکوک سمجھا گیا اور یہ تاثر قائم ہوا کہ بہت سے ملزمان کو امریکہ کے حوالے کیا گیا ہے۔ جس سے ملک کی بدنامی ہوئی۔ جس کا ذکر افسانے کے اس پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ "آج کل پاکستانی پاسپورٹ بہت بے توقیر ہو چکا ہے۔ کیونکہ دہشت گردی کے خلاف اتحاد میں ہماری حکومت خود اتنے پاکستانیوں کو امریکہ کے حوالے کر چکی ہے کہ دنیا والے اب ہر پاکستانی مسافر کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔" [16] افسانے میں بیان کیا گیا کہ بنگال کے ہنگاموں میں بہت سے لوگوں کو لاپتہ کیا گیا بالکل اس طرح اب دہشتگردی کی اس فضا میں لوگ گم ہو رہے ہیں، کون کہاں انہیں لے گیا نہیں معلوم تاریخ خود کو دہرا رہی ہے کہ جب بھی تاریخ کا چہرہ مسخ کیا گیا اس میں باشعور لوگ گم ہو جاتے ہیں۔

دہشتگردی کی جنگ میں ڈرون حملوں کا استعمال بہت زیادہ ہوا۔ نہ صرف افغانستان بلکہ اس سے ملحقہ دیگر پاکستانی علاقوں کو بھی نشانہ بنایا گیا۔ کوئی بھی شہر محفوظ نہ رہا اس حوالے سے محمد حامد سراج کا افسانہ "چھید ہسٹری" افغان جنگ اور خود کش دھماکوں، ڈرون حملوں کا ذکر اس افسانے میں ملتا ہے۔ افسانے میں کردار واحد متکلم ہے جو کہ اپنی کہانی بیان کر رہا ہے۔ غربت کے ہاتھوں تنگ ہے۔ اس کو لگتا ہے کہ اس کے دماغ میں چھید ہو گیا ہے اور اس کی غربت کی ٹک ٹک ہے یعنی خود کش دھماکوں کو ٹائم بم کی مانند قرار دیا گیا ہے۔ زمین پر داعش اور افغان طالبان کے علاوہ عالمی طاقتوں نے تباہی مچا رکھی ہے۔ کثرت سے ڈرون حملے ہو رہے ہیں۔ افسانے کا کردار اپنی کیفیت کو بیان کرتا ہے۔ "میرے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا اور ڈرون جہاز کو وہ پرندہ دکھنے لگا ہوں کیوں کہ آسمان پر چیلیں اب بھی اڑتی ہیں۔ گدھ مردار پر اترتے ہیں۔ باز اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ پرندے بھی تو ڈرون سے باز نہیں آتے" [17] جس طرح گدھ مردوں پر جھپٹتے ہیں بلکہ اسی طرح ڈرون حملوں کے ذریعے انسانوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ وہ ایک صنعتی شہر کا رخ کرتا ہے اس فیکٹری میں کام کرتا ہے خود کش بمبار اپنے بدن پر بارودی جیکٹ سجاتا ہے اور اس کو اس کا کمانڈر ہدایت دے رہا ہوتا ہے کلاک کی سویوں کے ساتھ خود کش بمبار کو باندھ رکھا ہے۔ بچہ جو گیند سے کھیل رہا تھا اس کے لیے یہ کھیل بلاسٹ ثابت ہوتا ہے۔ کراچی کو اس نے بم دھماکوں اور لاشوں کی وجہ سے چھوڑا تھا مگر یہ شہر بھی اب کراچی جیسا ہی محسوس ہوتا ہے وال کلاک کی ٹک ٹک کا غربت سے بندھ جاتی ہے۔ اس سے مراد نوجوان غربت کی وجہ سے پیشہ ور قاتلوں اور دہشت گردوں کے ہاتھ آ جاتے ہیں۔

دہشتگردی کے ماحول میں جہاں بہت سی جانیں گئیں وہیں پر ایک نئے رجحان نے جنم لیا کہ کسی بھی شخص کو کوئی بھی معاملہ ہو اس پر دہشتگردی کی دفعات لگا کر جیل بھیج دیا جاتا۔ جس سے انتقامی جذبات جنم لیتے اور نوجوان

باآسانی شر پسند عناصر کے ہاتھ آجاتے ہیں ۔اس موضوع پر طاہرہ اقبال کا افسانہ "یا پروردگار" ملکی بدامنی اور دہشتگردی کے تناظر میں لکھا گیا ہے۔اس کا آغاز صائمہ کا نکاح ٹوٹنے اور اس کے بھائی عاصم کے انتقامی جذبے سے ہوتا۔وہ جیل چلا جاتا ہے اس پر دہشت گردی کی دفعات لگائی جاتی ہیں اور افسانے کا رخ ملکی حالات کی طرف لاتے ہوئے یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ ہمارے اوپر حکمران جو مسلط کیے جاتے ہیں ان کی تانے بانے کوئی اور ہی بُنتا ہے۔ جیسا کہ یہ اقتباس ہے۔"وہ شر کے مقتدرِ اعلی کے ہاتھوں ناچنے والی چھوٹی چھوٹی پتلیاں ہیں، جن کے اپائنٹمنٹ لیٹر شر کے ناخدا جاری کرتے ہیں"۔[18]اس اقتباس میں ان نادیدہ قوتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو اس تمام نظام کو کنٹرول کیے ہوئے ہیں۔ عاصم جیل سے واپس آکر حکمرانوں کے بداعمالیوں اور اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کے بارے میں مضطرب ہے۔وہ ٹائم بموں کا شکار ہونے والے لوگوں کی تصاویر دیکھتا ہے۔صائمہ کی تصویر اس کو غیرت دلاتی ہے اور ان لوگوں کی ترغیبات میں آجاتا ہے جن کو موت کی طلب زندگی کا منہ چڑھاتی ہے اور وہ دہشت گرد بن جاتا ہے۔افسانے میں ایک ایسے نوجوان کی کہانی بیان کی گئی جو نہ انصافی کے باعث غلط راستہ اختیار کرتا ہے جو تمام لوگوں کے لیے خطرہ ہے۔

دہشتگردی کی اس جنگ نے نہ صرف ملکوں کو تباہ کیا بلکہ کئی خاندانوں کی زندگیوں کو بدل کر رکھ دیا۔بطورِ خاص وہ ممالک جن پر چڑھائی کی گئی وہاں کے مکینوں کی زندگی کا دھارا بدل گیا اس موضوع پر "بے زمین" اے خیام کا افسانہ ہے۔ یہ افسانہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جن کے ممالک پر دوسر قبضہ کر لیتے ہیں اور اس ملک کے مکین بے شناخت ہو جاتے ہیں۔وہ اس وطن سے اپنی وابستگی کا اظہار بھی نہیں کر سکتے۔جس ملک میں بھی جاتے ہیں اپنے ساتھ بے شمار مسائل کا انبار بھی لیے جاتے ہیں۔جس کا آغاز ایئر پورٹ سے ہی ہو جاتا ہے۔انہیں سخت امیگریشن پالیسیوں سے گزرنا پڑتا ہے اور یہی سب کچھ اس افسانے کے مرکزی کردار لیلیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔جو سفر کے دوران مصنف کو ملتی ہے اور مصنف اس کی کہانی بیان کر رہا ہے۔لیلیٰ جب دوسرے ملک جاتی ہے تو کوئی اس کو اپنے پاس رکھنے کو تیار نہیں ہوتا۔وہ مصنف سے پناہ مانگتی ہے اور بتاتی ہے کہ پہلے اس کا گھرانہ خوشحال تھا۔اس کا باپ اور اس کا بھائی پیار کرنے والے تھے مگر خانہ جنگی کے بعد وہ نہ رہے۔اب اس کی چھوٹی بہنیں اور ماں اس کی ذمہ داری ہیں۔دہشت گرد اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کو بم دھماکا کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ افسانے میں اس کردار کے خود کش دھماکے کے مناظر کو اس اقتباس میں بیان کی گیا ہے" جسم سے لپٹے ہوئے گرینڈ اور بارودی ہتھیار پہچانے جاسکتے تھے۔اس کے ایک ہاتھ میں غالباً ریموٹ کنٹرول تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس نے جیکٹ ہٹایا تھا۔۔۔۔۔۔اگلے لمحے جو کچھ ہونے والا تھا شاید اکثر لوگوں کو اس کا اندازہ نہ تھا۔[19]"اپنے ملک اور اپنوں سے دور مصائب کا شکار لیلیٰ ان عناصر کے ہاتھوں استعمال ہو جاتی ہے، جو دنیا میں بدامنی پھیلائے ہوئے ہیں۔اور دہشتگردی کو ہوا دے رہے ہیں۔

دہشتگردی کی جنگ میں افغان باشندے سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ لاتعداد لوگ جان سے گئے۔ بہت سے لوگ دربدر ہوئے اور جب یہ خستہ حال قافلے کہیں قیام کرتے ہیں تو ان پر بمباری کر دی جاتی ہے۔ انہی حالات کے تناظر میں زاہدہ حنا کا افسانہ "نیند کا زرد لباس" ہے۔اس میں شمسہ اپنی کزن کے بارے میں بتاتی ہے کہ وہ بہت ذہین ہے اور ہجرت کر کے آئی ہے۔ اس کے گھر میں آ کر مقیم ہوئی ہے وہ دربدر ہونے کی وجہ سے تعلیم حاصل نہیں کر پائی۔ بہت دکھ سہنے کے بعد وہ بموں کی برسات اور میزائلوں کی سنسناہٹ کے ساتھ سفر کرتی ہوئی اپنی چہیتی بہن اور بھائی کی ایک ہتھیلی کی جدائی سہہ کر اس علاقے میں پہنچی ہے۔ یہ بربادیوں کا قافلہ ہے۔ جس میں ہزاروں لوگ بستیوں میں خیمے لگا رہے ہیں۔ بہت سے لوگ اپنے رشتہ داروں کے ہاں جا کر رہتے ہیں۔ پروین اپنے ساتھ ایک خط رکھتی ہے۔ جسے بار بار وہ پڑھنے کی کوشش کرتی ہے کیوں کہ اس نے بہت تباہی اور بربادی دیکھی ہے لہٰذا وہ بہت دکھی ہے۔اسے اب ہجرت کر کے آگے جانا ہے۔ وہ ایک خط امریکہ کے نام لکھتی ہے اس خط میں امریکہ کی دوغلی پالیسی کے بارے میں یہ اقتباس ہے۔ " سنا ہے آپ جب اپنے بچوں کے لیے کھلونے بناتے ہیں تو ان کے ڈبوں پر ان سے کھیلنے والے بچوں کی عمریں بھی لکھ دیتے ہیں لیکن آپ نے ہمارے لئے ایسے کھلونے کیوں بھجوائے تھے جو ہماری جان لے لیں۔"[20] دو متضاد رویے کہ اپنے بچوں کے کھلونوں پر بھی تاریخ لکھی جاتی ہے کہ اس سے ان کے بچوں کو نقصان نہ پہنچے۔ دوسری طرف دوسروں کے بچوں کی نسل کشی بے رحم طریقے سے کی جاتی ہے کہ بموں کو کھلونوں کی صورت دے کر ان کی جانیں لی جاتی ہیں۔ اس افسانے میں بم دھماکوں اور ڈرون حملوں کا ذکر کیا گیا ہے لوگ بے بس ہیں۔ افسانے میں امریکہ کی انسانیت کش پالیسیوں اور اس کے دہرے معیار کو بیان کیا گیا ہے۔

دہشتگردی کی یہ جنگ دوسری جنگوں سے اس لئے بھی مختلف ہے کہ اس جنگ کو ذرائع ابلاغ کے ذریعے جیتنے کی کوشش کی گئی اور وہ تمام منظر نامے جو عالمی طاقت کے حق میں تھے، وہ دکھائے گئے۔ دوسری طرف حریفوں کا کوئی نقطہ نظر نہ تو دکھایا گیا اور نہ ہی ان ذرائع تک ان کو دسترس دی گئی۔ لہٰذا عوامی سطح پر یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ امریکہ کی پالیسیاں ہی امن کے لیے ضروری ہیں اس موضوع پر "ذکر اس پری وش کا "عطیہ سید کا افسانہ ہے۔اس افسانے میں ۹/۱۱ کے واقعات کو ڈرامہ قرار دیا گیا ہے۔ جس کو بنیاد بنا کر دنیا میں ایک بڑی جنگ کا آغاز کیا گیا۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد یہ تیسری بڑی جنگ تھی جس میں مظلوم عوام ،افغانستان ، پاکستان اور عراقی باشندوں کو نشانہ بنایا گیا۔ اس واقعے کو تمام دنیا کے چیلنز پر دکھایا گیا۔ لیکن ہر چینل نے اپنے حاکم کے حکم کے مطابق اس کی رپورٹنگ کی۔ افغانستان پر حملے کے بعد پینٹاگان نے پریس بریفنگ دی۔ جنرل ٹامی فرینک آئے اور انہوں نے وضاحت کی کہ طالبان اور القاعدہ کے ٹھکانوں کو نشانہ بنایا گیا ہے۔اس حوالے سے بڑی سکرین پر

دھندلی تصاویر جاری کی گئیں۔ ہر تصویر کے اوپر جنرل وضاحت کرتا رہا جو کسی کی سمجھ میں نہ آیا۔ تاہم اس حوالے سے CNN نے تحفے کے طور پر ٹیپ پیش کی۔ تاکہ امریکی عوام خوفزدہ ہوں اور عبرت پکڑ سکیں۔ کہا گیا کہ یہ ٹیپ اسامہ بن لادن نے بنائی ہے۔ مصنفہ کے نزدیک یہ کہانی طویل ہے اس کو کہاں تک سنایا جائے۔ افسانے میں یہ تاثر بھی دیا گیا ہے کہ باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت پاکستان کو دہشتگردی کی جنگ میں شریک کیا گیا جیسا کہ اس کا اظہار اس اقتباس میں ہوتا ہے۔ "ہمیں ہندوستان کی بجائے پاکستان کو کنٹرول کرنا چاہیئے"۔ پاکستانی نژاد لیکن امریکن شہریت کے مالک مبصر نے ۔۔۔۔۔ سرہلاتے ہوئے بڑے سیانے انداز میں جواب دیا۔۔۔۔ فوکس حسینہ نے۔۔۔۔ سوال کیا اس لئے کہ اسے کنٹرول کیا جاسکتا ہے مبصر نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔[21] "امریکیوں کا خیال تھا کہ جس طرح روس اور افغان جنگ میں پاکستان نے کردار ادا کیا، اب پاکستان کو کنٹرول کر کے دہشتگردی کی اس جنگ کو کامیاب بنایا جاسکتا ہے، اقتباس میں اسی منصوبے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس افسانے میں مصنفہ نے ۹/۱۱ کے پسِ منظر میں عالمی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاہم بیانیہ خالصتاً رپورٹنگ کا ہے۔ جیسا کہ غالب قوتیں ہمیشہ مغلوب قوتوں کو شکست سے دوچار کرنے کے لیے World Power کا استعمال کرتی رہی ہیں اور استحصالی نظام برقرار رکھنے کے لیے جو منظر نامے دکھاتی رہی ہیں اس افسانے میں اس بین الاقوامی سازش کو بیان کیا گیا ہے۔

اردو افسانے میں دہشت گردی کے دو بڑے محرکات کو بیان کیا گیا ایک وہ نوجوان جو بے راہ روی اختیار کرتے ہیں اور غیر لوگوں کے ہاتھوں استعمال ہوتے ہیں۔ حقیقت جب کھلتی ہے تو وہ اپنے کیے پر پشیماں ہوتے ہیں کہ ان کی وجہ سے کئی قیمتی جانوں کا ضیاع ہوگیا دوسرا بڑا محرک ان دہشت گرد عناصر کا ہے جو پیسے لے کر دہشت گردی پھیلاتے ہیں اور خون ریزی کے اس کھیل میں محض پیسے کی وجہ سے مذہب کو بدنام کرتے ہیں۔ افسانے میں غیر مسلم ممالک میں بسنے والے باشندوں کا ذکر بھی ملتا ہے جن کی زندگیاں ۹/۱۱ کے واقعے کے بعد بدل گئیں، وہ دہشت گرد کی نظر سے دیکھے جانے لگے اور کئی ممالک سے نکال بھی دیے گیے اور کئی کو امیگریشن کے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ افسانے میں بہت سے خاندانوں کی آپ بیتی بھی ملتی ہے جو ہزاروں جذبے اور خواہش رکھنے کے باوجود اپنے پیاروں کے لئے کچھ نہ کر پائے اور کہیں ان کے پیارے دہشت گرد بن گئے اور کہیں دہشت گردی کا شکار ہو گئے۔ گمشدگیوں کے حوالے سے دیکھا جائے تو وہ تمام افراد جو دہشت گردی کے اصل حقائق اور کرداروں تک پہنچنے کی کوشش کرتے انہیں اغواء کر کے سارے منظر سے غائب کر دیا گیا یہ ایسا موضوع ہے جو نہ صرف افسانے کا ہے بلکہ تاریخی اور حقیقی طور پر بھی اپنا وجود رکھتا ہے۔

ماحصل

اردو افسانے نے اسلام اور دہشتگردی کے عالمی بیانیے کو بڑے مؤثر انداز میں بیان کیا ہے۔اس میں عالمی سازش کو کو نہ صرف بے نقاب کیا ہے بلکہ تمام منظر نامے کو اس طرح پیش کیا ہے کہ تمام حقائق محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں جو سازش تیار کی گئی اور جس انداز میں اسلام کا عکس دکھانے کی کوشش کی گئی اردو افسانے نے اس کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کیا ہے یوں کہنا بجا ہے کہ افسانے کی افسانویت نے تاریخی حقائق کو مسخ نہیں کیا بلکہ افسانوی خصوصیت یعنی تاثر انگیزی کو برقرار رکھتے ہوئے تاریخ کے اس بڑے سانحے کو مؤثر انداز میں عوام تک پہنچایا ہے جس سے اس موضوع میں اردو افسانے کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔ مولوی فیروز الدین، *فیروز اللغات* (لاہور، فیروز سنز،2012ء) ،658۔

2۔ڈاکٹر خیال، امروہی،*سوشلزم اور عصری تقاضے* (لاہور، کلاسک پبلشرز، 2002ء)، 247۔

3۔اخلاق احمد، قادری،*بیسویں اور اکیسویں صدی تاریخ کے آئینے میں* (کراچی، سٹی بک پوائنٹ،2015ء)،448۔

4۔احفاظ الرحمٰن،*جنگ جاری رہے گی* (شہر ندارد، الخیر پرنٹنگ پریش، 2007-08ء) ،24۔

5۔ایضاً، 24۔

6۔آصف محمود،*ڈرون حملے* (اسلام آباد، انٹرنیشل انسٹیٹیوٹ آف سٹریٹیجک سٹڈیز اینڈ ریسرچ،2013ء) ،95۔

7۔ محمد بن اسماعیل، البخاری،*الصحیح البخاری*، کتاب الجہاد، ج1، باب اثم بن قتل معاہدا بغیر جرم، 844۔

8۔ سیموئل پی وٹنگن، مترجم عبدالمجید طاہر،*تہذیبوں کا تصادم* (لاہور، نگارشات پبلشرز،2010ء) ،143۔

9۔رشید امجد،*پتھر مردہ کا تبسم*، مجلّہ سہبل سہ ماہی، رسالہ (اکتوبر2004ء) ،99۔

10۔ محمد حامد سراج، خراد مشن، مجلّہ فنون سہ ماہی، ش135 (سن ندارد) ،214۔

11۔ایضاً، 217۔

12۔ محمود احمد قاضی، بدستور، مجلّہ پاکستانی ادب2008ء، رسالہ، (نثر) (اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، 2009ء)، 123۔

13۔نورالہدی سید، گلوبل سوسائٹی، مجلّہ پاکستانی ادب2008ء، رسالہ، (نثر) (اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، 2009ء)، 147۔

14۔ سلطان جمیل نسیم، اوراب کتنا اندھیرا ہوگا، مجلّہ ماہنامہ سیپ، جلد ندارد، شمارہ72 (کراچی، میب پبلی کیشنز،2003ء) ،49۔

15۔ سلطان جمیل نسیم، ایک بے شناخت کہانی، مجلّہ جدید ادب، جلد ندارد، شمارہ 16 (دہلی، ارشیا پبلی کیشنز، 2011ء)، 155 تا 156۔

16۔ مسعود مفتی، آج اور کل، مجلّہ پاکستانی ادب 2008، جلد و شمارہ ندارد (اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، 2009ء)، 87۔

17۔ محمد حامد سراج، چھید ہسٹری، مجلّہ ماہنامہ سیپ، جلد ندارد، شمارہ 84 (کراچی، میب پبلی کیشنز، سن ندارد)، 119 تا 120۔

18۔ طاہرہ اقبال، یا پروردگار، گنجی بار، (اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز، 2006ء)، 211۔

19۔ اے خیام، بے زمین، خالی ہاتھ، (کراچی، میڈیا گرافکس، 2005ء)، 65۔

20۔ زاہدہ حنا، نیند کا زرد لباس، رقصِ بسمل ہے، (لاہور، الحمد پبلی کیشنز، مارچ 2011ء)، 214۔

21۔ عطیہ سید، ذکر اسی پری وش کا، دہشت، بارش اور رات، (لاہور، دستاویز پبلشرز، 2013ء)، 120۔

Bibliography

1) Amjad. Rasheed, Pazmurda ka Tabasum, *Journal*, *Sahbal*, October 2004.
2) Amrohi, Dr.Khiyal, *Socialism aor Asri Taqaza*, Lahore, Classic Publishers, December 2002.
3) Bukhari, Muhamad Bin Ismail, *Sahih Bukhari*, Al Jihad,nd.
4) Feroz ud Deen, Molvi, *Feroz ul Lughaat*, Lahore, Feroz sons, nd.
5) Hina, Zahida, *Raqs-e-Bismil*, Lahore, Alhamd publications, 2011.
6) Ihfaz ur Rehman, *Jang Jari Raha Gi*, Alkhair Printing Press, 2007-08.
7) Iqbal, Tahira, *Ganji Bar*, Islamabad, Dost Publications, 2006.
8) Khiyam A, *Khali Hath*, Karachi, Media Graphics, 2005.
9) Mehmood, Asif, *Drone Hamla*, Islamabad, International Institute of Stratigic Studies and Research, 2013.
10) Naseem, Sultan Jameel, Aik Bashanakht Kahani, *Journal Jadeed Adab*, 16, Dahli, 2011.
11) Naseem, Sultan Jameel, Aor Ab Kitna Andhara Ho Ga, *Journal Mahana Seep*, 72, Karachi, 2003.
12) Pe Vatingin, *Semoil*, Translated by Abdul Majeed Tahir, Tehzeebon ka Tasadum, Lahore, Nigarshat Publicashers, 2010.

13) Qadri, Akhlaq Ahmed, *Beesveen aor Ikisveen Sadi Tareekh ka Aina man*, City Book Point, 2015.
14) Qazi, Mehmood Ahmed, Badastoor, *Journal Pakistani Adab*, 2008, Islamabad, Akadmi Adbiat e Pakistan 2009.
15) Siraj, Muhammad Hamid, Chad History, *Journal Mahana Seep*, 84, Karachi.
16) Siraj, Muhammad Hamid, Khirad Machine, *Journal Fanoon, Sahmahi*, Issue: 135, nd.
17) Syed, Atiya, *Dashat Barish aor Raat*, Lahore, Dastawaiz Publications, 2013.